R. No. 218657 Regd. No. 912

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت

جلد ۲۲ - شمارہ ۳۵ | ایڈیٹر - آلِ احمد سرور | ۱۵ ستمبر ۱۹۶۳ء

اداریہ

اُردو کے لئے بہتر فضا پیدا کیجئے

آج کل خونِ جگر کو کوئی نہیں پوچھتا، یا سیاست کا رُخ دیکھا جاتا ہے یا تجارت کا۔ اُردو دوستوں کو اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ کچھ لوگوں نے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اُردو کے ذریعہ سے اپنے سیاسی اغراض کو تقویت پہنچائی ہے یا اپنے کاروبار کو فروغ دیا ہے؟ سیاست کے سلسلے میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ سستی اور ذاتی سیاست کو چھوڑ کر ملک کی سیاست پر نظر رکھنا اُردو دوستوں کے لئے مفید ہوگا۔ ملک کی سیاست اب اس انداز پر چل رہی ہے کہ ریاستی حکومتوں کو اپنے معاملات میں بہت بڑی حد تک آزادی ہے، خصوصاً تعلیم اور زبان کے سلسلے میں۔ ریاستوں میں اُردو کی حالت بہتر کرنے کے لئے ریاستی پیمانے پر جد و جہد کرنی ہوگی اور ہر ریاست کے حالات کے مطابق اس میں کاموں کی نوعیت متعین کرنی ہوگی۔ مثلاً جنوبی ہند میں اُردو کے لئے سہولتیں توجہ دلانے پر مل جاتی ہیں، شمالی ہند میں لوگوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ اس لئے یہاں ریاستوں کی مجالس قانون ساز سے ربط قائم کرنا چاہئے اور ان سیاسی پارٹیوں سے جو جمہوریت، لامذہبیت اور ایک حد تک سوشلزم میں ایمان رکھتی ہیں ہماری ریاستی اور مقامی شاخوں کو اب اس پہلو پر پورا زور دینا پڑے گا۔

جہاں تک تجارت کا سوال ہے، یہ دور بڑے کاروبار کا ہے اور اشتہار کے ذریعہ سے کاروبار کی اہمیت ثابت کرنے کا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک روپیہ کی جیبی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں بک رہی ہیں، سنسنی خیز ناول بھی بہت مقبول ہیں۔ پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ اگر موجودہ زندگی کی ضروریات کے مطابق اچھی، صاف ستھری، مصور اور دیدہ زیب کتابیں چھاپی جائیں، جدید معیار کے مطابق

اخبار نکالے جائیں تو ان کی اچھی خاصی بکری ہو سکتی ہے۔ ہاں اب یہ کافی نہیں کہ کوئی شخص کچھ روپیہ فراہم کرکے اپنا شوق پورا کرے۔ اُردو دوستوں کو صرف ادب کی نہیں، علم کی بھی ضرورت ہے۔ انھیں دنیا کے حالات کا بھی علم ہونا چاہئے اور جس علاقے میں وہ رہتے ہیں اُس کے ادب کا بھی۔ علاقائی زبانوں کے ادب سے انھیں تعلق قائم کرنا چاہئے۔ اس سے علاقائی زبانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور اُردو کو بھی۔ ہو سکے تو ہر ریاست میں انجمن کی شاخ کو یا کسی ادبی ادارے کو ایک روزانہ اخبار کی سرپرستی کرنی چاہئے اور اس کے لئے وسائل فراہم کرنے چاہئیں۔ مناسب تنظیمی کوششوں سے اچھے نتائج ضرور نکلیں گے۔ اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ضروری ہے، مگر اس کے لئے فضا بھی پیدا کرنی ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کہنے سننے سے انتظام ہو جائے مگر طلبہ نہ ملیں۔ طلبہ اُسی وقت ملیں گے جب ان کے والدین اُن

اس اشاعت میں

ہم پرستوں کو احساس ہوگا اور یہ احساس اُسی وقت ہوگا جب وہ اُردو کے اخباروں، رسالوں اور کتابوں میں اپنی روز مرّہ زندگی کی عکاسی اور اُس کی سمت اور منزل کی جھلک دیکھ سکیں گے۔ جب اچھا ادب انھیں معیاری زندگی کے تصوّر سے آشنا کرسکے گا۔ جب وہ یہ محسوس کرلیں گے کہ اُردو انھیں موجودہ زندگی کے پیچ و خم سے نہ صرف گزار سکتی ہے بلکہ اس کے لئے حوصلہ بھی دیتی ہے اور اس کے بغیر ان کی شخصیت نامکمل اور ناقص رہتی ہے۔ اہلِ بصیرت ہر پہلو پر نگاہ رکھتے ہیں۔

آہ صدّیق حسن و مانی جالسی

یوں تو موت برحق ہے اور اُس کا وقت کسی کو معلوم نہیں مگر کسی کی اچانک اور خلافِ توقع موت سے جو صدمہ ہوتا ہے وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ سیّد صدیق حسن یوں تو آئی سی ایس کے ایک سینیئر رکن تھے اور اتر پردیش میں غالباً سب سے پرانے تھے، مگر اُن کی ہردل عزیزی اور مقبولیت کا سبب کچھ اور تھا۔ وہ بڑے فرض شناس، ایمان دار، سچے اور اچھے آدمی تھے۔ وہ بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ ابھی کچھ لوگوں کو یاد ہوگا کہ شروع شروع میں وہ لکھنؤ کی ادبی صحبتوں میں اپنا کلام یہ کہہ کر سناتے تھے کہ یہ میری بیوی کا ہے۔ مگر جلد ہی یہ باریک پردہ اُٹھ گیا اور حقیقت سامنے آگئی۔ صدیق حسن کی شاعری کی عمر زیادہ نہیں تھی، مگر یہ بڑی پُرخلوص، پُرکیف اور جاندار شاعری تھی۔ وہ حکومت اور عوام دونوں میں یکساں مقبول تھے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر بھی رہے تھے۔ شعر و ادب کے رسیا اور شاعروں اور ادیبوں کے بڑے قدرداں تھے۔ جگر صاحب کی انھوں نے بڑی دیکھ بھال کی اور ریاستی حکومت سے انھیں ادبی پنشن بھی دلوائی۔ آخر میں مذہبیت کا رجحان بہت بڑھ گیا تھا، مگر وہ کٹّر ملا نہیں تھے۔ ان کے یہاں ایک نرمی اور دل نوازی تھی۔ انھیں کئی سال پہلے قلب کی تکلیف رہ چکی تھی، مگر ضروری احتیاط کے بعد وہ ٹھیک ہوگئے تھے اور اپنے معمولات کو پابندی سے ادا کرنے لگے تھے۔ ایک عزیز کے انتقال پر تعزیت کے سلسلے میں پاکستان جارہے تھے کہ امرتسر کی سرحد پر دوسرا سفر درپیش ہوگیا۔ وہ تو رخصت ہوگئے، مگر جو لوگ انھیں جانتے تھے وہ انھیں کسی طرح بھلا نہ سکیں گے۔

حضرت مانی جالسی اُردو شعرا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے آگرے میں جس زمانے میں فانی کا بھی قیام تھا، تو فانی اور مانی لازم و ملزوم سمجھے جاتے تھے۔ دونوں نے مل کر ایک رسالہ تسنیم بھی نکالا تھا۔ فانی تو جلد اس سے الگ ہوگئے مگر مانی نے کچھ عرصے تک اور ہمت کی۔ بالآخر ادبی رسالوں کا جو حشر ہوتا ہے وہ اس کا بھی ہوا۔

غزل کے علاوہ قصیدے میں بھی مانی نے شہرت حاصل کی تھی۔ اُن کا مجموعہ نقوشِ مانی بہت سے جواہر پارے لئے ہوئے ہے ادھر انھوں نے مشاعروں میں شرکت کم کردی تھی اور گوشہ نشین سے ہوگئے تھے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر اسّی سال کے قریب تھی۔ آگرے، لکھنؤ، دہلی کی ادبی محفلوں میں مانی بڑے احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ افسوس ہے کہ ہمارا ایک اور اُستاد اور صاحبِ نظر ہم سے چھن گیا۔

سلون میں سہ لسانی فارمولے پر عمل

قومی زبان کی اطلاع ہے کہ ۱۶ راگست ۶۳ء سے ودیا پیٹھ سلون (ضلع رائے بریلی) میں چھٹے درجے سے سہ لسانی فارمولے پر عمل درآمد شروع کردیا گیا ہے۔ اُردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد بیالیس تک پہنچ چکی ہے اور سنسکرت پڑھنے والوں کی تعداد پچانوے ہے۔ اُردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد میں یہ خاص اضافہ سہ لسانی فارمولے کا ردّ عمل ہے۔ اس کے علاوہ نویں درجے میں اُردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کی اجازت بتاریخ ۱۰ راگست ۶۳ء کو انسپکٹر آف اسکولس رائے بریلی سے حاصل ہوگئی ہے اور اس کی تعلیم کے لئے کالج مذکور نے اردو ٹیچر بھی مقرر کردیا ہے۔

کاکوری ہائر سکنڈری اسکول میں اُردو

کاکوری لکھنؤ کے ہائر سکنڈری اسکول میں جو بہت پرانا اسکول ہے طویل عرصے سے اُردو کی تعلیم بند تھی۔ لیکن اس سال درجہ ۶ سے ۸ تک اُردو رائج ہوگئی ہے اور کافی طالب علموں نے اسے لیا ہے۔ یہ تبدیلی لسانی فارمولے کی وجہ سے آئی ہے۔

مانی جالسی کا انتقال

حضرت مانی جالسی کا تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں بمقام جوگی رام پورہ ضلع بجنور انتقال ہوگیا۔

مرحوم کے پسماندوں میں اُن کی بیوہ اور پانچ لڑکے دو لڑکیاں ہیں۔ اُن کی تصانیف میں غزلوں کے دو مجموعے نقوشِ مانی اور نگارستان ہیں۔ قصائد و منقبت کا ایک مجموعہ "وادیٔ ایمن" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

مرحوم اُردو کے مشہور خوش گو شاعر تھے۔ اُن کی خدمتِ ادب کے اعتراف میں مرکزی اور صوبائی حکومتیں علمی وظیفہ دیتی تھیں۔

دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی

مفتی اکرام احمد لطف بدایونی مرحوم

حضرت جگر بریلوی "لمعات نظامی" میں مولانا نظام الدین حسن نظامی کا تعارف لکھتے ہوئے بدایوں کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"بدایوں کو میں مردم خیزی میں دہلی اور لکھنؤ کے بعد دوسرا درجہ دیتا ہوں۔ قدیم زمانے سے اب تک یہ شہر علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ ملا عبدالقادر نے جو شمع روشن کی تھی فانی بدایونی نے اسے زندہ جاوید کر دیا۔ آج بھی اچھے اچھے ادیب اور سخن گو یہاں موجود ہیں کوئی تعجب کی بات نہیں۔"

مفتی اکرام احمد لطف بدایونی بدایوں کے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد کا نام حافظ غلام جیلانی تھا جو ایک مورخ کی حیثیت سے بدایوں میں مشہور و معروف تھے۔ بچپن میں لطف صاحب نے اردو فارسی اپنے والد سے پڑھی اس کے بعد شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو منیر شکوہ آبادی کے شاگرد ہو گئے۔ لطف صاحب کے کئی دیوان تھے لیکن پتہ نہیں چلتا کہ ان دیوانوں کا کیا حشر ہوا۔ ان کی بہت سی غزلیں درگا سہائے سرور جہاں آبادی اور منشی نوبت رائے نظر کی طرح دوسروں کے نام سے شائع ہو گئیں۔ ان کے انتقال کو دس سال ہو گئے لیکن اب تک کچھ ان پر نہیں لکھا گیا۔

شعر بہت جلد پڑھتے تھے بلکہ بات چیت میں بھی جو جملہ نصف منٹ میں مکمل ہوتا اس کو تین چار سکنڈ میں ختم کر دیتے۔ غزل خوانی کے سلسلہ جاریہ میں سامعین کے مکرر ارشاد کی فرمائش کو قبول کرنے کا موقع ہی انہیں دیتے تھے۔ جیسے جلدی جلدی بولتے تھے ویسے ہی چلتے بھی جلدی سے تھے۔ اور ساتھ چلنے والوں میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اکثر مقامی مشاعروں میں جامی بدایونی عیش بدایونی مرحوم اور لطف مرحوم وغیرہ اکثر ساتھ ساتھ اکٹھے ہو کر روانہ ہوتے تھے۔ ان سب میں دو صاحب یعنی عالی مرحوم و لطف مرحوم جماعت سے دس بارہ قدم آگے چلتے تھے۔ لطف کی وضع قطع سادہ تھی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بلا کا حافظہ تھا۔ جہاں کہیں اپنی غزل سنانا شروع کرتے تو مسلسل پڑھتے اور کوئی شعر سہو نہیں ہوتا تھا۔ نابینا ہونے کے بعد جو کچھ کہا وہ سب دماغ میں محفوظ تھا۔

ایک مرتبہ حاجی عطا محمد عطا مرحوم کے یہاں کفیل الدین عالی نے ایک مطلع سنایا:

فریب حسن میں دل آدمی کا آ ہی جاتا ہے
فرشتہ تو نہیں انسان دھوکا کھا ہی جاتا ہے

لطف نے بھی مقطع سنا ڈالا:

چلو اے لطف تم بھی پیچھے پیچھے صید دل لے کر
سوئے دریا کوئی بہر شکار ماہی جاتا ہے

جناب لطف کا شمار بدایوں کے اساتذۂ سخن میں ہے کلام میں پختگی بیان میں رنگینی کے علاوہ آپ کا کلام سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ اشعار قمر بدایونی مرحوم کی طرح سیدھے سادے ہوتے ہیں لیکن تیر و نشتر کی طرح اترتے چلے جاتے ہیں۔ لطف صاحب نے غزل کے دامن کو بہت وسیع کر دکھایا ہے آپ کی غزل میں حقائق نگاری کے نہایت اچھے نمونے بھی ملتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

حسرت آئی جو فلک پر کوئی تارا ٹوٹا
یوں کہیں آبلۂ دل نہ ہمارا ٹوٹا
لب تک آتے ہی خدا جانے لگی کس کی نظر
رہ گیا ہاتھ میں ساغر کا کنارا ٹوٹا
ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی
غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا

سونا کیسا فرقت میں فکر میں تھے جی کھونے کی
لو رات تو ہم یہ سمجھے تھے صبح نہیں اب ہونے کی
ربط رقیبوں سے پیدا ترک رقیبوں کی الفت
ہم سے یہ نہیں ہونے کا تم سے وہ نہیں ہونے کی

جس روز سے چھوٹی ہے ملاقات کسی کی
اچھی نہیں لگتی ہے ہمیں بات کسی کی
منہ بند کئے غیروں کو دیتا ہوں دعائیں
یاد آتی ہے جس وقت ملاقات کسی کی

یارب انھیں ہاتھوں سے پیتے رہیں متوالے
یارب یہی ساقی ہو یارب یہی مے خانہ

چلے ساغر چلے پیمانہ ساقی — رہے قائم ترا میخانہ ساقی
کھلا رہتا ہے میخواروں کی خاطر — در توبہ در مے خانہ ساقی

ہم وفا کے بعد کچھ حال جفا کہتے نہیں
جس کو اچھا کہہ چکے اس کو برا کہتے نہیں
یہ نہ کہنا تو ہمارا ہے فقط کہنے کی بات
ورنہ لب خاموش کیا کہتے ہیں کیا کہتے نہیں

۱۴/ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو دھام پور ضلع بجنور میں ایک تاریخی مشاعرہ ہوا تھا اس مشاعرے کی صدارت حضرت جگر بریلوی نے کی تھی۔ اس مشاعرے کا گلدستہ "بزم سخن" کے نام سے سنہ ۱۹۲۱ء میں نظامی پریس ایجنسی بدایوں سے شائع ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں عیش بدایونی مرحوم، عطا بدایونی مرحوم، فائق بدایونی، قمر بدایونی مرحوم اور لطف بدایونی مرحوم نے بدایوں سے شرکت کی تھی۔ حضرت لطف کی دو غزلوں کا انتخاب ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے اس مشاعرے میں پڑھی تھیں:

دل میں محبت کا فقط جلوہ نظر آتا ہے
اب مجھے وہی بت خانہ کعبہ نظر آتا ہے
سجدوں کے نشانوں سے قائم ہے جبیں کا
اب نقش کف پا بھی چلتا نظر آتا ہے
کس بات پہ ہے ان کو دعوائے مسیحائی
کیا کوئی مریض غم اچھا نظر آتا ہے
وہ چشم فسوں گر کیا پھر کی نظر آتی ہے
جادو ہے کہ عالم پہ چلتا نظر آتا ہے
اے لطف مجھے دل میں پھر جاتے ہیں ارماں اپنے
جب کوئی حسینوں کا جلوہ نظر آتا ہے

جب وہ رشک قمر نہیں ہوتا — گو سحر ہوتی ہے گھر نہیں ہوتا
اور کیا ہوگا اپنی کوشش سے — جب ترے دل میں گھر نہیں ہوتا
گو ہیں عشق و جنوں میں رسوائی — حسن کیا پردہ در نہیں ہوتا
کچھ جو ہے بس سے اپنی فطرت میں — وہ بشر کچھ بشر نہیں ہوتا
کیا صدقے تیرے وعدے ہیں — دامن تیغ تر نہیں ہوتا
گوشۂ چشم التفات کبھی — ہے ادھر پر ادھر نہیں ہوتا
ہائے اس در پہ وقت پامالی — سنگ ہوتا ہے سر نہیں ہوتا
سخن شب ہے ان کا وعدۂ شب — کبھی خواب سحر نہیں ہوتا
حضرت لطف ایک مدت سے
اب کوئی شعر تر نہیں ہوتا

۵/ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کو بریلی میں بھی ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں پچاس سے زیادہ اساتذۂ سخن نے شرکت فرمائی تھی۔ اس مشاعرے کا گلدستہ رسالہ کمال کے ایڈیٹر پیارے لال رونق نے شائع کیا تھا۔ اس مشاعرے میں حضرت لطف بدایونی نے جو غزل پڑھی تھی اس کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں:

کہوں کیا فرقت موئے مژہ میں حال دل کیا ہے
مرا تار نفس بھی اب تو کانٹا سا کھٹکتا ہے
تری خو ظلم کرنا ہے۔ مری عادت اٹھانا ہے
ترا پتھر کا دل ہے میرا پتھر کا کلیجا ہے
یہ پردہ بھی عجب پردہ ہے صدقے ایسے پردے کے
مرے ہی دل کے پردے میں مری آنکھوں سے پردہ ہے
جنون عشق جانا ہے کہیں اسے ناصح ناداں
اگر دل ہے تو الفت ہے اگر سر ہے تو سودا ہے
رواں ہیں اشک خوں اے لطف یاد چشم ساقی میں
نہ لطف سیر گلشن ہے، نہ وہ جام صہبا ہے

لطف کا ایک تضمینہ شعر اقبال کی مشہور زمین میں ملاحظہ ہو:

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

(ادارہ)

امجد نجمی

کون ہے تو بتا؟

رات کو خواب میں مجکو آئی نظر اک حسیں مہ جبیں راحتِ قلب و جاں
سحر آنکھوں میں، ہونٹوں پہ ہلکی ہنسی چہرہ گلنار اور زلف عنبر فشاں
حُسن میں جیسے ناہید یا مشتری ناز و انداز میں مشتل حور و پری
کہنے کو کہہ دیا میں نے حور و پری ورنہ حور و پری میں یہ خوبی کہاں؟
زرد زیب گلو تاج تھا زیب سر، ہلکی ہلکی نظر ہر نظر نیشتر
پائے نازک میں مہندی لگی تھی اگر تھی لبوں پر عیاں سرخیِ رنگ پاں
مست و مخمور جیسے کہ ساغر بکف زندگی جھوم اٹھتی تھی چاروں طرف
اس کی ہر ہر ادا تھی دلآویز تر اس کا ہر ہر کرشمہ تھا دامن کشاں
اس کا وہ رعب داب اس کی وہ قاہری اس کی وہ دلکشی اس کی وہ دلبری
تھی جو اک ہاتھ میں اس کے تلوار تو دوسرے میں کتابیں تھیں کچھ چوڑیاں
ایسی نازک بدن ایسی گل پیرہن اس کا ہر ایک غمزہ تھا تقویٰ شکن
دیکھ لے اس کو زاہد تو اٹھنے لگے سینۂ زہد سے موج دود و دخاں
وہ نزاکت لطافت وہ شوخی تازگی وہ محبت صداقت خوشی خرمی
اک نقشے میں یا صورت و شکل میں غیرت مہ ستی و رشک حور جہاں
چشم بد دور بھرپور سولہ کا سن اور مرادوں کی راتیں مرادوں کے دن
اس کی کافر جوانی مچلتی ہوئی جو تھی، لے رہا تھا شباب اس کا انگڑائیاں
میں نے پوچھا کہ اے مہ جبیں مدعا کون ہے تو بتا نام تیرا ہے کیا؟
ہنس کے کہنے لگی میں ہوں وہ دیوی جس کو کہتے ہیں آزاد ہندوستاں

ذکاءالدین شایاں

"پناہ"

(براؤننگ کی ایک نظم سے)

برق و باراں کے تھپیڑے کھا کر
گردشِ وقت کا ٹھکرایا ہوا
اجنبی — یا کوئی گم کردۂ راہ
سامنے، اونچے مکاں کے نیچے
سر چھپانے کو ذرا ٹھہرا ہے!

اک طرف رات کی تاریک فضا
روشنی بند کواڑوں میں ادھر

وہ یہ دستک ہوئی! (آہٹ کے ساتھ)
ہو گیا ٹکڑے کواڑوں کا دل
روشنی برق کے ہم رنگ چلی
نرم و نازک سا کوئی ہاتھ بڑھا
چار آنکھیں ہوئیں، لب تھرتھرائے!

یک بیک دور کہیں برق گری
ہو گئے ایک یہاں دونوں دل!!

حبیب احمد صدیقی

پھول بھی خار ہوئے جاتے ہیں

دوست اغیار ہوئے جاتے ہیں　　پھول بھی خار ہوئے جاتے ہیں
لب پہ آتا ہے جفاؤں کا گلہ　　پھر خطاوار ہوئے جاتے ہیں
کرتے جاتے ہیں وہ پیماں شکنی　　قول و اقرار ہوئے جاتے ہیں
زمزمۂ مطرب ناداں ہے کوئی　　منتشر تار ہوئے جاتے ہیں
چارہ گر دیکھ کہ تیرے بیمار　　اور بیمار ہوئے جاتے ہیں
ان بتوں کو نہیں اتنا بھی خیال　　لوگ دیندار ہوئے جاتے ہیں
کیا زمانہ ہے کہ اہل دل بھی　　اہل پندار ہوئے جاتے ہیں
مرحلے زیست کے اے اہل خرد　　اور دشوار ہوئے جاتے ہیں
یہ ستم ہیشہ فلک جو نہ کرے　　وہ وفادار ہوئے جاتے ہیں
آہ کیا وقت پڑا ہے ہمدم　　غیر غمخوار ہوئے جاتے ہیں

کچھ خبر ہے تجھے اے آبلہ پا
خشک گلزار ہوئے جاتے ہیں

غزلیں

آفتاب شمسی

بادہ و ساغر سے جب بھی دل کو بہلائے گئے
کچھ حقائق میکدے تک ہم کو سمجھائے گئے
الحفیظ و الاماں گردِ الم ہائے فراق
ان سے آج اپنے ہی دیوانے نہ پہچانے گئے
کچھ ہمیں پر ہی نہیں موقوف اے اہل خرد!
جو گئے اس بزم سے وہ ہو کے دیوانے گئے
پھر وہی تشنہ لبی اور زندگی کی تیز دھوپ
زلف کے سائے گئے آنکھوں کے پیمانے گئے
کیا سنائیں ہم تمہیں شمسی مآلِ عرضِ غم
ایک شیشہ تھا جسے پتھر سے ٹکرانے گئے

طالب جے پوری

زنہار اس کی پھر کوئی قیمت نہیں رہی
جس دل میں تیرے غم کی امانت نہیں رہی
یا اب نگاہ ناز میں وہ گرمیاں نہیں
یا دل کو اضطراب کی عادت نہیں رہی
شاید کسی نے مجھ کو فراموش کر دیا
اب وہ غم فراق میں لذت نہیں رہی
مجھ یوں مٹا رہی ہے مجھے گردش فلک
دنیا کو جیسے میری ضرورت نہیں رہی
طالب پہ اب کسی کی نگاہ کرم نہیں
شاید متاعِ عشق کی قیمت نہیں رہی

ظفر غوری

"قطعہ"

فلک کے چاند ستاروں کا ذکر کرتے ہیں　　وہ چاند ستاروں کے خلا میں جا کے بیٹھے
وہ بن گئے ہیں زمانے میں ارتقا کے نقیب　　جو اپنے فکر کی زنجیر تک نہ کاٹ سکے

مراسلات

اُردو ادب، نئی آوازیں — از محمود ہاشمی

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان"

اگست کے ہندی ماہنامہ کادمبنی میں محمود ہاشمی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ ہماری زبان کے لئے بھیج رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے شاید ہندی میں چھپنے کے لئے خاص خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ویسے جدید اُردو شاعری پر میری نظر بہت کم ہے پھر بھی میں نہیں سمجھتی کہ محمود ہاشمی صاحب کے نکالے ہوئے نتیجے ٹھیک ہیں۔ (شاکرہ)

اُردو شاعری نے پچھلے دس سالوں میں بالکل نیا چولا بدلا ہے۔ اس کی حقیقت غزل کے روپ نیز اس کے موضوع سے نہیں بلکہ موجودہ نظم سے پہچانی جاتی ہے۔

اس تبدیلی کے بعد اُردو شاعری ہندی کی نئی کویتا اور دوسری ترقی پسند زبانوں کی شاعری کے ہم پایہ ہوتی جاتی ہے۔ اردو میں کامیاب نظم اب بھی وہی سمجھی جاتی ہے جس کا تعلق پرانی روایات سے نہیں بلکہ نئے علوم و فنون سے اور نئے فلسفۂ زندگی سے ہو۔

اُردو شاعری کے نئے سُر، اس کی نئی طرز نیز ماہیت حقیقت میں مغربی ادب کی ان تحریکوں سے تخلیق ہوتی رہی ہے جو یورپ نیز امریکا میں اپنا اثر قائم کر چکی ہیں۔ اُردو شاعری سب سے زیادہ فرانسیسی رمزی شاعری سے متاثر ہوئی ہے۔ نئی اُردو شاعری بھی اپنی پیش رو ترقی پسند عناصر کی حقیقت پسندیت کے رجحان سے ہٹ کر اپنے تہذیبی سرمایہ کی حفاظت اور ترقی میں لگی ہوئی ہے۔ وہ ہندوستانی دیوی دیوتاؤں کے پورانک رمز لے کر انھیں نئے معنی دے رہی ہے۔

قدیم رمزوں کو نئے معنوں میں استعمال کرنے کا خیال صرف ہندوستان کی اُردو شاعری میں نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ پاکستان کے موجودہ دور کے شاعر اس سے نسبتاً زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

لاہور میں اُردو کے ایک نئے ناقد اور شاعر وزیر آغا نے جدید نظم کو ترقی دینے کے لئے باقاعدہ ایک نئی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ وہ نئی شاعری میں رمزیت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ایسی نظموں کی تائید کرتے ہیں، جن میں پورانک رمز استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اب نئی اُردو شاعری غزل کے میدان سے نکل گئی ہے اور اس کی بنیاد رمزیت پر رکھی گئی ہے۔

اردو شاعری کی اس نئی طرز کی ابتدا میراجی سے ہوئی ہے انھیں اپنے زمانے میں ایسی عزت نہیں ملی جتنی آج ان کی شاعری اور طرز کو ملی ہے۔ ان کے بارے میں پہلے یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ شباب نیز اس کے بگڑے اور پیچیدہ نفسیات کے شاعر ہیں۔ لیکن موجودہ اردو ناقد اس زاویۂ نظر کو نہیں مانتے۔ اب ان کی شاعری کی شرح اس طرح کی جاتی ہے کہ اس میں نہ صرف اس کی خالص ہندوستانی بنیاد ہے بلکہ دھرتی پوجا کو بھی انھوں نے عزت دی ہے۔ میراجی سے ہی موجودہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ نئی شاعری کی اس نئی تحریک سے اُردو نظم کی سماجی تاریخی اور تہذیبی بنیاد خالص ہندوستانی بن چکی ہے۔ اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ نظم کا موضوع بھی بدل چکا ہے۔ مثال کے طور پر خلیل ہاشمی کی ایک نظم سانپ اور رقاصہ اور ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

تیرے گورے بدن سے لپٹا ہوا
جب جاگ اٹھے گا جڑوں سے
اور پھر جب ڈھیلا پڑ جائے گا
تیرا چاند نیوں کا اجلا پن
تیرے مکھ کا چاند، تیرا جوبن
گہرا نیلا پڑ جائے گا
تجھے ڈس جائے گا ناگ بھر
یہ راگ ہے موت کا راگ بھر
(یوں سوچ رہے ہیں تماشائی)

سانپ شباب کا رمز ہے۔ رقاصہ کے بدن پر لپٹے ہوئے سانپ سے شاعر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ہوس خوبصورتی اور پاکیزگی کو ختم کر دیتی ہے۔

اس کے علاوہ نظم میں خوف کے اس احساس کو بھی ظاہر کیا گیا ہے جو رقاصہ کے جسم پر سانپوں کو لپٹے دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

یہ رمز اور اظہار ہندوستانی بنیادوں پر قائم ہے کچھ اور مثالیں لیجئے:۔

ابلتے چشموں کی پاک آواز
کالی سڑکوں پر رو رہی ہے
اداس برگد کی بوڑھی چھاؤں
نوکیلے پتھر پر سو رہی ہے
برج کے بن سے کنس کی سینا
تُو کے سینگوں کو ڈھو رہی ہے
زمین آباد ہو رہی ہے
غلیظ کمروں کی بجے نہ بولو
(یہی خوشی ہے۔ نظیر احمد غازی)

ادھر تھا سمندر بھیروی کا
ادھر ہوا کی راہوں میں
دھوپ تھا شیشہ چاندی کا
چھلک گیا جو نگاہوں میں
(دھوپ میں دو سفید عورتیں از شہریاری)

سورج میرے پاس میرے گھر میں
اکثر آیا ہے
پھیل رہی ہے پیلی دیواروں پر
اس کے سُرخ لبوں کی تصویریں
میرے گھر میں اندھیری شام نہیں ہے
میں بھی سورج کا سایہ ہوں
میرا اب کوئی نام نہیں ہے
میرے سانس میں پھول ہزاروں
کرنوں والا چمک اٹھا ہے
سورج میری آنکھوں میں ہے
آنکھیں بند کروں تو پل میں
لاکھوں گہرے تیکھے رنگوں والے
تیز سمندر میں
سورج ناؤ کی آواز
میرے سامنے کھولے گی سب
ڈوبنے والے دن کے راز (میں اور سورج از سلیم الرحمٰن)

اوپر والی نظموں میں برج کا بن، کنس کی سینا، بھیروی کا سمندر سورج کی نؤکا وغیرہ ایسے رمز ہیں جن کا تعلق ہندوستانی دیوی دیوتاؤں پرانوں سے ہے۔ ان رمزوں سے ہمیں نئے معنی نکالنے ہیں اور اپنی تہذیب، سماجی بہاؤ اور اپنا رومانی سکہ قائم رکھنا ہے۔

اُردو کی ماہیت میں ایسی لچک ہے جس کی وجہ اردو ادب نہ صرف دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی ترقی کو اپنے اندر سمو لیتا ہے بلکہ اس کا ہندوستانی نقطۂ نظر ہمیشہ نئے رنگ و روپ میں نکھرتا جاتا ہے۔

آج بھی اگر چہ نئی اُردو شاعری کا بہاؤ یورپ کے فن اور سائنس سے متاثر ہے لیکن اس زبان کی تاریخی آواز اس کے ادب کو بیرونی احساسات کا عکس نہیں بننے دیتی نئی اُردو شاعری کے امکانات اور اس کے اقدار ہمارے اجداد کی اس سرزمین سے متعلق ہیں۔

۱۹۳۵ سے ۱۹۵۰ تک اردو شاعری زیادہ تر ترقی پسندی کے جال میں قید رہی اور اس کا موضوع سیاسی، معاشی مسائل پر مبنی رہا۔ لیکن نئی پیڑھی نے جب اپنے گزشتہ تیس برسوں کی ادبی روایت اور اپنے ماضی کے ادیبوں کو جانچا پرتالا تو انھیں معلوم ہوا کہ اس عرصے میں فلسفہ شاعری کے بنیادی اصولوں کے خلاف ایسی شاعری کی گئی جس میں نعرے بازی کے سوا نئے انسان کے محسوسات کا کوئی سچا یا حقیقی وجود نہیں ہے اس سے اُردو شاعری میں ایک جمود پیدا ہوگیا۔ نئی پیڑھی نے اپنا تعلق ان ادبی روایتوں اور اصولوں سے قائم کیا، جو دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں موجود ہیں۔ یعنی فرانسیسی رمزیت اور انگریزی ادب کا حقیقت کا نیا دور فطری انداز سے اُردو شاعری میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ بات نئی اردو شاعری کی زندگی اور ترقی کی دلیل ہے۔ (ہندی سے ترجمہ۔ شاکر)

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی

مورخہ ۱۵ر اگست کے ہماری زبان میں مولانا عبدالعلی آسی مدراسی پر جناب ابو علی صاحب کا مضمون باصرہ نواز ہوا، واقعی یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسی غازیپوری اور آسی مدراسی جیسے اکابر علم و فن اور افاضل شعر و ادب کا ذکر اُردو کے کسی تذکرے میں نہیں ہے اور ارباب تذکرہ کی اس بے اعتنائی اور تساہل نے ان نامی گرامی مشاہیر کو قعر گم نامی میں ڈال دیا ہے۔

مسلم لائبریری بنگلور میں میں بعض پرانی کتابوں کا جائزہ لے رہا تھا تو ایک کتاب میرے ہاتھ لگی، جو بڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ کتاب کا نام "مخمس کریما" ہے اور مصنف کا نام مولانا شاہ تراب علی کاکوری رح ہے جس میں شیخ شیرازی رح کے کریما نامی منظوم رسالے کی تضمین کی گئی ہے اور محمد عبدالرحمٰن بن حاجی محمد روشن خاں کے اہتمام میں مطبع نظامی کانپور سے شایع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں مولانا عبدالعلی آسی مدراسی نے ایک قطعۂ تاریخ ارقام فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا نے موصوف کو فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا اس کے چند شعر یہ ہیں:-

للہ الحمد کاندریں ایام ... ہمہ اسباب خیر پیدا شد
یعنی از فیض شہ تراب علی ... باغ خمسہ ....
غنچۂ روح بلبل شیراز ... زنسیمش برنگ گل واشد
طبع فرمود عبدالرحمٰن خاں ... حسن سعیش قبول دلہا شد
خوش لقا خوش جمال و خوش تصحیح ... خوشنما خوشخط و خوش املا شد

(کرم خوردہ) ....

بے بہا خمسۂ کریما شد

"بے بہا خمسۂ کریما شد" سے اس کتاب کا سال طباعت ۱۲۹۲ھ نکلتا ہے

(رئیس مینائی)

انجمن ترقی اُردو شاخ دیوبند

انجمن ترقی اُردو شاخ دیوبند کی مجلس عاملہ کا جلسہ زیر صدارت پروفیسر مہابیر پرشاد صاحب صدر انجمن بتاریخ ۲۴ر اگست ۱۹۶۳ء بوقت ۵ بجے شام منعقد ہوا اور مندرجہ ذیل تجاویز پاس ہوئیں:

۱۔ انجمن ترقی اُردو شاخ دیوبند کی مجلس عاملہ کا جلسہ اُتر پردیش سرکار کی تیسری زبان میں "اُردو" کی شمولیت پر اظہار مسرت کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نفاذ کی تفصیلات کے سلسلے میں جو درج ہے کہ "سرپرستوں کی اکثریت جو زبان چاہے گی وہ پڑھائی جائے گی" اس کو نامناسب تصور کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ گورنمنٹ ایک ہاتھ سے اُردو کو ترقی دینا چاہتی ہے، اور دوسرے ہاتھ سے اس کو واپس لینا چاہتی ہے۔

یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ اگر چھٹی کلاس میں کم از کم پانچ طالب علموں کے سرپرست بھی تیسری زبان میں "اُردو" پڑھوانا چاہیں تو ان کا انتظام ضرور کیا جانا چاہئے جیساکہ دیگر جماعتوں میں اختیاری مضامین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۲۔ طے پایا کہ مقامی انجمن کے اراکین، طلبہ کے سرپرستوں سے مل کر تیسری زبان کے لئے "اُردو" لکھانے کی کوشش کریں۔

اس سلسلے میں دوسرے محبین اُردو سے بھی تعاون کی درخواست کی جائے۔ (اعجاز احسن قاسمی)

اُردو تعلیمی کانفرنس

پٹنہ — ۲۲ر اگست۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کے دفتر کی اطلاع ہے کہ اس کی مجلس عاملہ نے اپنی ایک حالیہ نشست میں یہ طے کیا ہے کہ ستمبر کے اواخر میں ریاستی پیمانے پر اُردو کی ابتدائی تعلیم کے موجودہ مسائل کے حل کرنے کی صورتوں پر غور کرنے کے لئے ایک شاندار کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ریاستی انجمن ترقی اُردو کی تقریباً دو سو شاخوں کے علاوہ اُردو کے تحفظ و بقا اور اس کے فروغ کے مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے اداروں کے نمائندے، اساتذہ، ماہرین تعلیم اور صحافی حضرات بھی شرکت کریں گے۔

مجلس عاملہ نے یہ محسوس کیا ہے کہ اُردو کی علاقائی زبان کے مطالبے کو کامیاب بنانے کی جدوجہد ثانوی مدارس اور اعلیٰ درس گاہوں میں اُردو کی تعلیم کے مناسب نظم و نسق کی مساعی اسی وقت سود مند ہوگی جبکہ ریاست بہار کی تقریباً ایک کروڑ اُردو بولنے والی آبادی کے بچوں کے لئے اُردو کی ابتدائی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جاسکے۔ اور موجودہ صورت حال یہ ہے کہ حکومت نے چھ سال سے گیارہ سال تک کے بچوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی جو سہولت دے رکھی ہے اس کے تحت اُردو پڑھنے والے بچے اپنی مادری زبان کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے میں بڑی دقت محسوس کر رہے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی جڑیں کھوکھلی کی جارہی ہیں اور یہ معاندانہ کوشش ہو رہی ہے کہ اُردو پڑھنے والے بچے اپنی مادری زبان ترک کرنے پر مجبور ہوجائیں اور اس طرح اپنی روایات و ثقافت اور اپنے تمدنی سرچشموں سے دور ہو کر اپنی قومی انفرادیت کھو بیٹھیں جو یقیناً ایک خطرناک صورت حال ہے۔

اس پس منظر میں مجوزہ اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس کو کامیاب بنانا ہر اُردو بہی خواہ کا اہم اور اولین فریضہ ہے۔

انجمن نے مجلس استقبالیہ کی رکنیت کی فیس ایک روپیہ رکھی ہے۔ تاکہ ریاست بھر کے اُردو دوست عوام زیادہ سے زیادہ تعداد میں ممبر بن سکیں اور کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے جوق در جوق شرکت کر سکیں۔

انجمن کی شاخوں کے علاوہ ہر اُردو بہی خواہ کا فرض ہے کہ اُردو کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اپنے علاقے میں پیش آمدہ موجودہ مشکلات اور جملہ شکایات سے جلد سے جلد انجمن کو تفصیلی طور پر آگاہ کرے۔

مجلس مصنفین مدراس کی ادبی نشست

۲۵ر اگست کو مجلس مصنفین مدراس کی ایک ادبی نشست کاوش بدری کی صدارت میں ہوئی۔ مجلس کے جنرل سکریٹری راز امتیاز کی نظم "جب گلی مڑ گئے تم" سے تنقیدی نشست کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد نورس ضیائی نے اپنی غزل تنقید کے لئے پیش کی۔ غزل کے بعد ادیب بھارتی نے اپنا افسانہ تنقید کے لئے پیش کیا۔ تنقیدی نشست کے بعد مختلف اراکین نے اپنی تازہ تخلیقات پیش کیں۔ مجلس کے بعض انتظامی امور کے متعلق جنرل سکریٹری کی مختصر تقریر اور شکریہ پر نشست کا اختتام ہوا۔

بھوپال کے ادیبوں کی قدردانی

پندرہ روزہ شعلۂ حیات بھوپال نے یہ خبر شائع کی ہے کہ بھوپال کے سید محمد یوسف قیصر، کوثر چاندپوری، ڈاکٹر سید سلیم حامد رضوی، کیف بھوپالی، شعری بھوپالی اور عبدالاحد خاں تخلص کو میونسپل کونسل نے پانچ پانچ سو روپے ان کی ادبی خدمات کے سلسلے میں پیش کئے ہیں۔

دہلی یونیورسٹی اُردو ریسرچ ایسوسی ایشن

دلی - ۲۹ر اگست ۱۹۶۳ء۔ شعبۂ اُردو دلی یونی ورسٹی اُردو ریسرچ ایسوسی ایشن کی (مجلس تحقیقات علمیہ) کا ایک جلسہ بصدارت ڈاکٹر سی۔ ڈی دیش مکھ صاحب وائس چانسلر دلی یونیورسٹی آرٹس فیکلٹی بلڈنگ ہال میں منعقد ہوا۔ جس میں پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے "مجلس" کے پروگرام کا پہلا مقالہ بعنوان "ماسٹر رام چندر، ان کا عہد اور شخصیت" پڑھا۔ ابتدا میں "مجلس" کے اغراض و مقاصد پر ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے روشنی ڈالی۔ خواجہ صاحب نے ماسٹر رام چندر اور قدیم دلی کالج کے تعلق خاص، ان کی علمی شخصیت اور اُردو سے وابستگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے غالب اور سرسید سے تقابل کیا۔ ماسٹر رام چندر نے سائنسی علوم کو جس طرح اُردو کے قالب میں سمونے کی کوشش کی تھی، اس کا ذکر کیا اور کہا اگر موصوف اس طرف توجہ نہ کرتے تو ممکن تھا کہ ہمارے ادب میں سائنسی علوم اور نثر کے جدید رجحانات اس قدر جلد رونما نہ ہوتے۔ موصوف نے بتایا کہ "..... انہوں نے اُردو کے ذریعے مغربی سائنس، ہیئت، ریاضی، نیچرل فلاسفی وغیرہ کی تعلیم دینے اور شمالی ہند میں سب سے پہلے مشرق اور مغرب کے صحت مند عناصر کو سمونے کی کوشش کی ..... " ۔

آخر میں ڈاکٹر سی ڈی دیش مکھ صاحب نے اُردو زبان میں صدارتی تقریر کی اور موثر انداز میں اُردو سے اپنی وابستگی اور شغف کا ذکر کیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ "یہ خوشی کی بات ہے کہ دلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے زیر انتظام اس طرح کے مفید اور علمی کام سر انجام پا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو ریسرچ کی طرف توجہ کر کے علم و ادب کی خدمت کرنی چاہئے۔ اسی میں ہمارا فائدہ مضمر ہے اور یہی دراصل یونی ورسٹی کا نصب العین ہے" ۔

اس موقع پر صدیق الرحمٰن قدوائی کی کتاب ماسٹر رام چندر کی نمائش کی گئی۔

(سکریٹری شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی)

سستی کتابوں کی اشاعت

نئی دہلی - ۲۹ر اگست۔ مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر کے ایل، شریمالی نے کل یہاں بتایا کہ حکومت ہند نے تیسرے پنجسالہ منصوبے کی مدت کے دوران نوخواندہ لوگوں کے لئے اشاعتی اداروں کے اشتراک سے شائع کی جانے والی مثالی کتابیں حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاہم چوتھے پنجسالہ منصوبے کے دوران یہ اسکیم ایسی کتابوں کی ہندی میں اشاعت و ترتیب تک ہی محدود رہے گی اور تیسرے پنجسالہ منصوبے کے دوران تقریباً بارہ مثالی کتابیں چھاپی جائیں گی۔

اس اسکیم کا خاص مقصد ہی مقابلتاً کم قیمت پر بہت بڑی تعداد میں ایسی مقبول کتابوں کی اشاعت کی حوصلہ افزائی اور نوخواندہ اور نئے پڑھنے والوں کے درمیان مطالعاتی ذوق کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے سوشل ایجوکیشن ایجنسیوں اور لائبریریوں کو ایسی کتابوں کی بہم رسانی ہے۔

اس اسکیم میں ایسی کتابوں کی تیاری شامل ہے جو عام طور پر ہندوستان کے ثقافتی ورثہ، بھارت درشن اور ہر گوئی دگیان کے موضوعات کے وسیع شعبوں سے متعلق ہوں گی۔

بولنے والی کتابیں

بمبئی - ۳۰ر اگست ۱۹۶۳ء۔ اس سال کے آخر تک ہندوستان میں اندھوں کے لئے بولتی ہوئی کتابیں تیار ہونے لگیں گی۔ یہ کتابیں ڈسکوں یا فیتوں کی صورت میں ہوں جن پر ریکارڈ کیا ہوا ہوگا۔ حکومت امریکہ نے ریکارڈ کرنے کے لئے ضروری سامان مہیا کیا ہے اور اندھوں کی نیشنل ایسوسی ایشن یہ ریکارڈ تیار کرائے گی۔ نومبر کے مہینے میں ریکارڈ تیار کرنے کی مشین نصب کر دی جائیں گی۔ ان کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ہوگی۔ ایک ہندوستان میں اندھوں کے لئے اس قسم کی کتابیں مہیا نہیں کی گئیں۔ یہ کتابیں ہندی، مرہٹی اور گجراتی میں ریکارڈ کی جائیں گی اور اندھوں میں مفت تقسیم کی جائیں گی۔ اس کے بعد یہ کتابیں ہندوستان کی تمام زبانوں میں ریکارڈ ہونے لگیں گی۔

منشی دامودر لعل کا انتقال

جے پور۔ (ڈاک سے) راجستھان کے اردو دوست حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و ملال کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ انجمن ترقی اُردو شاخ دوسہ ضلع جے پور کے صدر جناب منشی دامودر لعل صاحب ساکن دوسہ ۲۶ر اگست ۱۹۶۳ء کی صبح کو اچانک حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

منشی صاحب اُردو کے بے لوث خادم تھے۔ اور اُردو زبان کے لئے آپ کا خلوص عقیدت کی حد تک پہنچ چکا تھا آپ زندگی بھر اُردو کی ترقی اور بہبود کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ٹانڈہ میں اُردو کے لئے جدو جہد

ہمعصر قومی آواز کو معلوم ہوا ہے کہ انجمن ترقی اردو ٹانڈہ (یوپی) کے ایک وفد نے آر بہ کنیا پاٹھ شالہ (گرلز انٹر کالج) کی پرنسپل سے ملاقات کی اور اُن کو کالج کی اکتالیس طالبات کے سرپرستوں کی درخواستیں پیش کیں جنھوں نے مقامی انجمن کے مطبوعہ فارموں پر انجمن کے دفتر میں اپنی درخواستیں بھجوائی تھیں اور مطالبہ کیا تھا کہ بچیوں کے لئے اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں جملہ سہولتیں فراہم کی جائیں۔

پتہ چلا ہے کہ پرنسپل نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُردو پڑھنے والی بچیوں کے سلسلے میں جلد ہی ضروری کارروائی کرینگی۔

محبانِ اُردو راجستھان کے لئے نوید مسرت

جے پور (ڈاک سے) انجمن ترقی اُردو راجستھان کی مسلسل جدو جہد اور یاد دہانیوں کے بعد حکومت راجستھان نے اپنے سرکلر نمبر F. 5 (6) APPTS (A) IV/62 مورخہ ۲ راگست ۱۹۶۳ء کے ذریعے تمام کلکٹروں اور لوکل باڈیز کے اعلیٰ عہدے داروں کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ ایسے تمام قوانین اور اعلانات لسانی اقلیات کی آگاہی اور مفاد کے لئے اُردو پنجابی اور سندھی میں بھی شایع کیا کریں جہاں ان کی آبادی پندرہ سے بیس فی صدی یا اس سے زیادہ ہو۔

چونکہ مردم شماری کی رپورٹ ابھی نہیں آئی ہے اس لئے محبانِ اُردو تا آمد رپورٹ مذکور مقامی طور پر آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے اس حکم سے فائدہ اُٹھائیں اور مقامی حکام کو توجہ دلا کر اس حکم پر عمل کرانے کی پوری کوشش کریں نیز انجمن ترقی اردو راجستھان کو بھی مطلع کریں۔

(کلیم الدین تجلی عثمانی اسسٹنٹ سکریٹری انجمن راجستھان)

انجمن ترقی اُردو کانپور کی میٹنگ

انجمن ترقی اُردو کانپور کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۵ راگست ۱۹۶۳ء زیر صدارت جناب پری پورنانند ورما منعقد ہوا، جس میں مرکزی انجمن ترقی اُردو کے گشتی کے پیش نظر متفقہ طور پر طے پایا کہ اس امر کی پوری کوشش کی جائے کہ طلبہ کے والدین یا سرپرستان تحریری طور پر اسکولوں کے پرنسپل صاحبان سے درخواست کریں کہ وہ اُن کے بچوں کے لئے سہ لسانی فارمولے کے تحت علاوہ پرائمری درجات کے چھٹے درجے سے اُردو کی تعلیم کا انتظام کریں۔

انجمن کی ممبر سازی کی مہم چلانے کے لئے بھی طے پایا۔ جناب نشور واحدی کی کتاب "صہبائے ہند" کی اشاعت کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔

راؤ سمیع سکریٹری (بحوالہ سیاست جدید)

"جشنِ آزادی کا طرحی مشاعرہ"

جشنِ آزادی کا طرحی مشاعرہ جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی کی صدارت میں ۲۴ راگست کی شام کو انجمن ترقی اُردو شاخ دلّی کے دفتر علی منزل میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کی یہ خصوصیت تھی کہ چند اساتذہ کے علاوہ سب نئے اور اُبھرتے ہوئے شاعر اس میں شامل تھے۔

صدر مشاعرہ نے چند قطعات آزادی کے موضوع پر سُنائے جو اس دَور کے لئے بالکل موزوں تھے۔

جن شعرائے کرام نے مشاعرے میں شرکت فرمائی اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ حضرت روشن صدیقی، جناب رعنا جگی، جناب طالب دہلوی، جناب خار دہلوی، جناب مخمور سعیدی، جناب خان غازی کابلی، جناب من موہن تلخ، جناب ہیرالال فلک، جناب گمبیر سنگھ ساحر، جناب رام لال سائل، جناب کالی چرن اثر، جناب عاشق دہلوی، جناب نصرت گوالیاری، جناب پی این ناشاد، ڈاکٹر سری گوپال خاک دہلوی، جناب شہاب سرحدی، جناب من موہن کمار ماہر، جناب ذہین حیدر ظالم، اور جناب ظفر ادیب۔

مشاعرے کے لئے مصرع طرح یہ تھا:۔

چمن میں پتے پتے بوٹے بوٹے پہ نکھار آیا

(اسسٹنٹ سکریٹری)

دُنیا کا سب سے طویل رزمیہ

ماسکو (نووستی) کرغیزیائی عوام کا عظیم رزمیہ "مناس" دنیا کا سب سے طویل رزمیہ ہے۔ اس میں دو لاکھ پچاس ہزار مصرعے ہیں۔ کرغیزیہ میں مشہور ہے کہ لوک گیت گانے والے اس رزمیہ کو ۹۹ دنوں میں مکمل کرتے ہیں۔ اسے مبالغہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

کرغیزیہ کے مشہور موسیقار سائیکلیبی کرالائیف اس پورے رزمیہ سے واقف ہیں۔ آج کل وہ اسے سُنا رہے ہیں۔ کئی ماہ گزر چکے ہیں۔ کرغیزیائی سائنس اکادمی کے ادارے برائے زبان و ادب میں "مناس" کا تحقیقی مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں اس کی ایک لاکھ مصرعوں پر مشتمل چار جلدیں شائع کی گئی ہیں۔

آٹھ سال بعد (اُردو)

یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ محمود آباد کے کالون اسکول میں آٹھ سال کی جدوجہد کے بعد پھر اُردو کو جگہ مل گئی۔ یہاں اُردو جس طرح خارج کی گئی تھی وہ بھی اپنی جگہ ایک عجیب داستان ہے اور پھر اس کی جدوجہد جس طرح شروع کی گئی وہ بھی اتنی ہی دلچسپ چیز ہے۔

ہوا یہ کہ ۱۹۵۵ء میں مذکورہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُردو ٹیچر سے کہا کہ چونکہ اب اُردو پڑھنے والے طالب علم نہیں ہیں اس لئے آپ کی ضرورت نہیں اور اُردو پڑھنے والے طالب علموں سے کہا کہ چونکہ اُردو پڑھانے والا ٹیچر اسکول میں نہیں ہے اس لئے آپ لوگ کوئی اور مضمون لے لیں۔ اس طرح وہاں اُردو ختم ہو گئی۔

جدوجہد کا دلچسپ پہلو جو ہے وہ یہ کہ جس نوعیت سے وہ شروع ہوئی وہ اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ اُردو سب کی زبان ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے یا اس کا مسلمانوں سے جو خصوصی تعلق ہے وہ دوسرے فرقوں سے نہیں ہے۔

جب انجمن ترقی اُردو نے یہ مطالبہ ریاستی حکومت کے سامنے پیش کیا کہ کالون اسکول محمود آباد میں اُردو کو پھر رائج ہونا چاہئے تو اس کے ساتھ مقامی ہندو سرپرستوں کی کافی تعداد میں درخواستیں تھیں جو پیش کی گئیں اور جنہیں اس مطالبے کی حمایت کی گئی تھی۔

دوسری طرف یہ واقعہ بھی تھا کہ جس ہیڈ ماسٹر نے اردو ختم کی تھی وہ مسلمان تھے یعنی اُردو کے حق میں جو لوگ تھے ان میں ہندوؤں کی تعداد کافی تھی اور اردو کے مخالف ایک مسلمان صاحب تھے اس سے بڑا اس بات کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اُردو صرف مسلمانوں ہی کی زبان نہیں ہے۔

محمود آباد کے ان ہندو اور مسلمان سرپرستوں اور اُردو دوستوں کو ہم خاص طور سے مبارکباد پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس آٹھ سال جدوجہد میں حصہ لیا۔

(قومی آواز کا ادارتی نوٹ)

اُردو معمّے

معمّوں کی بھرمار پر تیج بہادر سنہا صاحب نے اپنے معزز جریدے روہیل کھنڈ میں ایک مضمون لکھا ہے جس کا یہ اقتباس ہے:

حال میں اُردو معمّوں کی تعداد میں جو بھاری اضافہ ہو رہا ہے اس سے اُردو زبان سے محبت رکھنے والوں اور اسکی مسلسل خدمت کرنے والوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ میری نظر سے ایک پُر خلوص اداریہ گزرا ہے جو امرتسر سے نکلنے والے ادبی ماہ نامہ پگڈنڈی نے ان معمّوں میں استعمال ہونے والے ہتھکنڈوں کے متعلق تحریر کیا ہے۔

اُردو زبان پر گزشتہ سولہ برسوں سے جو مصائب کی بارشیں ہوئی ہیں اُن کے پیشِ نظر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہر اُس تحریک کا باریکی سے تجزیہ کیا جائے جو اس زبان کے مستقبل پر اور اس کے حامیوں کے وقار پر اثر انداز ہوئی؟

ان معمّوں نے جو علم و ادب کی خدمت کا جھنڈا لے کر ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں صحت مند لٹریچر کی جگہ حفظانِ صحت کے جنسیاتی یا دیگر قسم کے ہیجانی لٹریچر کو توانائی دی ہے۔ ان سے مستفید ہونے والا طبقہ کہرے مطالعہ کرنے والوں، شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کا نہیں ہے بلکہ بھاری تعداد میں ان عام شہریوں کا ہے جنھیں مطالعہ کا شوق قطعی نہیں ہے بلکہ جو اٹکل سے بعض تشریحی جرائد کی مدد سے انعام حاصل کرتے ہیں۔

ان حالات میں یہ امر بحث طلب بن گیا ہے کہ ان معمّوں پر پابندی لگا دی جائے اور حکومت انھیں قطعی بند کر دے یا اربابِ علم و ادب (جن کا ایک بڑا اجتماع اُردو زبان کے تحفظ اور بقا کے لئے لکھنؤ میں ہونے والا ہے) ان پر بعض پابندیاں عائد کر دیں۔ اور ان معمّوں کے لئے کوئی معیار مقرر کر دیا جائے جس کے خلاف چلنے والوں کی مذمت کی جائے اور عوام کو ایک راستے کی رہبری مل جائے۔

پہلی چیز انعام کی رقم ہے۔ یہ رقم جتنی بھاری ہو گی اتنی ہی عالمگیر قمار بازی کی تحریک کو قوت ملتی ہے۔ اس رقم کا تعین انگریزی اور ہندی کے معیاری معمّوں کی سطح پر کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہونی چاہئے کہ معمّوں کے اشارات کے ساتھ ساتھ اُن پبلشروں کے نام بھی شائع کئے جائیں جن کی شائع کردہ کتابوں سے اشارات لئے گئے ہیں۔

اگر ان پابندیوں کو اختیار کر کے ان معمّوں کو جاری کرنے والے ادارے ترقی کرتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ ان سے ہمارے عوام میں علم کی روشنی پھیلے گی اور انھیں صرف اس خدمت کے سہارے بڑی حد تک گوارا کیا جا سکے گا۔

میں نے ان معمّوں کو سختی سے دبانے کی جگہ مناسب پابندیاں عائد کرنے کا مشورہ پیش کیا ہے۔ بہرحال یہ بات اُردو ادب کے دیرینہ مسئلہ اردو کو طے کرنی ہے کہ کونسا راستہ اردو کی ترقی اور بقا کا ضامن ہے۔

سید صدیق حسن کا انتقال

سید صدیق حسن صاحب (آئی سی ایس) اُردو کے مشہور شاعر تھے انھیں غزل اور نظم دونوں پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ وہ بڑے پکے مذہبی آدمی تھے باوجود اس کے ان کے تعلقات غیر مذہب والوں سے بھی عزیزانہ سے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کی بے مثال نشانی تھے ان کے اخلاق و کردار کے سب لوگ معترف تھے۔ باوجود سرکاری ملازمت کی مصروفیتوں کے سماجی اور علمی کاموں میں انہوں نے کافی حصہ لیا۔ عمر بھر رواداری اور اخلاص اُن کا شیوہ رہا۔ مرحوم کا حالتِ سفر میں تقریباً ۷۰ سال کے سن میں انتقال ہوا۔

ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

راز

ناشر: نیا خواب، رام پور۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

رام پور، یوں شعر و ادب کا مرکز رہا ہے۔ والیان ریاست کی علم پروری نے وہاں ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ خود اس خاک سے اچھے اچھے لکھنے والے اٹھے۔ مگر ان میں سے اکثر باہر کی دنیا میں روشناس نہ ہو سکے۔ انہیں میں راز یزدانی مرحوم کا شمار ہے۔ زیر نظر کتابچہ ان کی غزلوں اور نظموں کا انتخاب اور رام پور کے شاعروں کے انتخابی سلسلے کی پہلی پیش کش ہے۔ غزلوں کے اشعار پڑھنے سے راز کی طبیعت کی اپج، خیال کی گہرائی اور انداز بیان کی لطافت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص یہ لکھ سکے کہ،

گلوں کی شرم لطافت کا پاس ہے ورنہ
مری نگاہ تو کانٹوں کا انتخاب کرے

پھولوں میں جا کے ان کی نگاہیں الجھ گئیں
کانٹوں سے گلشنوں میں جو دامن بچا گئے

قضا کا خوف ہے، اچھا مگر اس آفت میں
یہ معجزہ بھی کہ ہم جی رہے ہیں کیا کم ہے

اس کے تغزل کی پاکیزگی اور تازگی میں کیا شبہ ہے۔

ان کے علاوہ راز نے کامیاب نظمیں بھی لکھی ہیں جن کا خیال و اسلوب بڑی حد تک اقبال سے متاثر معلوم ہوتا ہے۔ البتہ بعض جگہ ان کے کلام میں تغزل کی کمی۔ مضمون کی تشنگی یا بندش کی کمزوری بھی نظر آئی۔ مثلاً

لازم ہے احتیاط ہر لفظ گفتگو میں
دنیا نے راز کس کو رسوا نہ کر دیا ہے

کیوں موت کو دلچسپ بنا لنے نہیں دیتی
دنیا! مجھے بے عشق کئے بھی تو فنا ہے

پروردگار خیر کہ صیاد سا بھی آج
چپ ہو گیا ہے سوئے گرفتار دیکھ کر

دنیا کی ہر نگاہ سمجھنا پڑی مجھے
خود اپنے ہر خیال کو بے کار دیکھ کر

تاہم مجموعی طور پر یہ انتخاب قابل قدر اور "نیا خواب" اس کی اشاعت پر مستحق تحسین ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پبلشر، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو سے شائع کیا